راحت افشاں
اسسٹنٹ پروفیسر
شعبہ اردو، جامعہ کراچی

زاہدہ حنا روشن خیال افسانہ نگار

ABSTRACT

Zahida Hina, An Enlightened Fiction Writer.
By Dr. Rahat Afshan, Assistant Profecer, Department of Urdu, University of Karachi.

Urdu short story (Afsaana) has depicted the social milieu of sub-continent. It also encompasses the dilemma of modern life. Among all Urdu short story writers, Zahida Hina has emerged as a notable one due to her topics, treatment and approach towards modern day life.She has covered a wide range of literary tendencies in her short stories which is a result of her extensive reading. She has observed the pathos of modernized living in her short stories and this showed her versatility among her compatriots. This article traces down Zahida Hina`s creative journey through ages.

زاہدہ حنا ہمارے عہد کی ایک ترقی پسند اور روشن خیال افسانہ نگار ہیں۔ آپ ہندوستان کے صوبے بہار کے شہر سہسرام میں ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۶ء میں پیدا ہوئیں۔ زاہدہ حنا کے والد کا نام محمد ابوالخیر تھا جنھیں بغاوت اور شورش کے جرم میں چودہ سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔ زاہدہ حنا نے نو سال کی عمر میں پہلی کہانی تحریر کی جوان کے اسکول میگزین ''ارم'' میں شائع ہوئی جب کہ پہلا مضمون ''انشاء'' کراچی ۱۹۶۲ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ آپ کا پہلا افسانہ رسالہ ''ہم قلم'' (۱۹۶۴ء) کراچی میں شائع ہوا۔ زاہدہ حنا کی کہانیوں کے ترجمے ہندی، سندھی، بنگلہ اور انگریزی وغیرہ میں کیے جا چکے ہیں۔ آپ کو پاکستانی اخبارات کی تاریخ میں سب سے کم عمر کالمنسٹ ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

زاہدہ حنا روزنامہ ''مشرق'' ہفت روزہ ''اخبار خواتین'' اور عالمی ڈائجسٹ سے بھی وابستہ رہیں، بی بی سی اردو سروس میں پروگرام پروڈیوسر اور وائس آف امریکہ اردو سروس میں فیچر رائٹر اور پروگرام پروڈیوسر رہ چکی ہیں۔ ''روشن خیال'' میں بحیثیت مدیرہ کے کام کیا، روزنامہ ''جنگ''، ''اردو نیوز'' جدہ اور سندھی اخبار روزنامہ ''عبرت'' کے لیے ہفتہ وار کالم لکھ رہی ہیں۔ پاکستان ٹیلی ویژن سے طویل دورانیہ پر مبنی ان کے لکھے ہوئے کئی ڈرامے نشر ہو چکے ہیں ان کی ادبی خدمات پر انھیں ساغر صدیقی ادبی ایوارڈ، جشن فیض ایوارڈ اور لٹریری پرفارمنس ایوارڈ بھی مل چکے ہیں۔ اس کے علاوہ سندھ اسپیکر ایوارڈ، سارک لٹریری ایوارڈ، سندھ اسپیکر ایوارڈ وغیرہ بھی حاصل کر چکی ہیں۔

زاہدہ حنا کے افسانوی مجموعوں میں ''قیدی سانس لیتا ہے''، ''راہ میں اجل ہے''، ''تتلیاں ڈھونڈنے والی''، ''رقصِ بسمل ہے''، وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے نہ جنوں رہا نہ پری رہی'' (ناولٹ)، ''درد کا شجر'' (ناول)، ''درد آشوب'' (ناول) وغیرہ بھی تحریر کیے۔

زاہدہ حنا دورِ جدید کے افسانوی ادب میں ایک معتبر نام ہے۔ اپنے پہلے افسانوی مجموعے ''قیدی سانس لیتا ہے'' کے دیباچے میں کچھ یوں اظہار خیال کرتی ہیں:

> ''عورت ہونا، کہانیاں لکھنا، اختلاف کرنا، یہ ہمارے معاشرے کی تین خرابیاں ہیں اور میں ان ہی کا مجموعہ ہوں۔ اسی لیے بہت کج مج ہوں، بہت بے ڈھب ہوں، میری لکھی ہوئی کہانیاں بھی اتنی ہی کج مج اور بے ڈھب ہیں۔ مجھے اپنے باب میں نہ کوئی خوش فہمی ہے اور نہ کوئی دعوی ہے۔ جیسے سوئی کی ناک سے گوشت میں اتری ہوئی پھانس نکالی جاتی ہے اور پھر سکھ کا سانس لیا جاتا ہے۔ ویسے ہی میں نے اپنے ضمیر اور شعور میں چبھی ہوئی پھانسوں کو قلم کی نوک سے نکالا ہے اور ورق پر رکھ دیا ہے۔ اب اگر یہ آپ کو چبھنے لگیں تو اس میں میرا کوئی دوش نہیں (۱)۔''

زاہدہ حنا کے ایک بزرگ مرزا دلدار بیگ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے پھانسی دی اور اب وہ دریائے جہلم کے کنارے آسودۂ خاک ہیں، ان کے ایک بزرگ مرزا عبدالستار بیگ سہسرامی نے پندرہ سو صفحات اور تین جلدوں پر مشتمل ''تذکرۂ صوفیہ''، ''مسالک السالکین فی تذکرۃ الواصلین'' لکھا۔ جب کہ والد محمد ابوالخیر کو بھی چودہ سال قیدِ بامشقت کی سزا ہوئی، رہا ہوئے تو جنگل کی راہ لی، اس لیے وہ لکھتی ہیں:

> ''تو یوں ہے کہ میں خوشحال گھرانے کے پریشان روزگار بیٹے، بے آرام باغی اور ناکام آئیڈیلسٹ کی بیٹی ہوں، بغاوت اور انحراف میری نہاد و بنیاد میں ہے۔ ابتدا سے اب تک زندگی روشِ عام سے ہٹ کر گزری ہے۔ لڑکیاں جس میں گڑیاں کھیلتی ہیں۔ میں اس عمر میں اردو اور فارسی کا کلاسیکی ادب پڑھ رہی تھی۔ میرے گرو، میرے استاد، مجھے بنانے والے، مجھے بگاڑنے والے میرے باپ تھے (۲)۔''

زاہدہ حنا کو ''زیتون کی شاخ'' کی وجہ سے ادبی حلقوں میں شہرت حاصل ہوئی۔ اس افسانے میں پاکستان کو مشترکہ ارضی تہذیب کے تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ زاہدہ حنا ایک لبرل اور ترقی پسند تصورِ حیات رکھتی ہیں۔ وہ تاریخ اور ماضی سے لگاؤ رکھتی ہیں مگر اس حد تک کہ آشوب عصر کی معنویت ہاتھ آسکے۔ ''جل ہے سارا جال'' بے حد جرأت مندانہ افسانہ ہے۔ ایسی صورتِ حال میں جب پاکستان میں بیشتر گھروں میں یہ عقیدہ بن چلا کہ عرب ان کے

رازق ہیں تو انھیں خوش کرنے کے لیے یہ کیا کچھ کرتے تھے۔ ملاحظہ فرمایے:

''ارم کو شادی کے بعد اندازہ ہوا کہ کسی عرب شاہزادے کی بیوی بننا کوئی ہنسی ٹھٹول نہیں۔ وہ اس کی منکوحہ تھی اور عرب شاہزادے کے بقول وہ اس کی کھیتی تھی اور کھیتی اس بات کی مجاز نہیں کہ وہ ہل چلانے والے کو اس بات پر ٹوکے کہ ہل کھیتی کے آغاز سے چلایا جائے یا اختتام سے (۳)۔''

زاہدہ حنا دراصل ایک ایسی شاہراہ کی مسافر ہیں کہ اس راستے پر چلنے والے کچھ اور بھی مسافر ہیں لیکن زاہدہ حنا کی روش سب سے الگ اور منفرد ہے۔ اس کی وجہ زاہدہ حنا کی زندگی کے حسی تجربے، شخصیت کے ترکیبی عناصر، مطالعے کے موضوعات اوروں سے بہت مختلف ہیں۔ ان کا بچپن اور لڑکپن جس دینی اور ثقافتی ماحول سے گزرا، ان کی ازدواجی زندگی جس نوع کے طلسم الم ونشاط میں بسر ہوئی اور جس معاشی ومعاشرتی جبر کے تحت انھیں قلم کی مزدوری کرنی پڑی وہ صرف اور صرف زاہدہ حنا کے تجربے کا حصہ ہیں۔ ان تجربوں نے زاہدہ حنا کے افسانوں میں طرح طرح سے جگہ پائی ہے اور ان کے افسانوں کی بنت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ''قیدی سانس لیتا ہے'' زاہدہ حنا کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے اس میں کل تیرہ کہانیاں ہیں، یہ کہانیاں آج کے انسان کے گمبھیر مسائل کی ترجمان ہیں۔ یہ کہانیاں نہ تو کسی کا دل بہلانے والی رومانی فضا میں سانس لے رہی ہیں اور نہ معاملاتِ حسن وعشق کی چونچلوں کی عکاسی ہیں۔ بلکہ ان کہانیوں میں کہانی نگار کی مرتی ہوئی زندگی کی سچی دھڑکنیں سنائی دے رہی ہیں۔ یہ دھڑکنیں خواب آور لوریاں بن کر قاری کو سلاتی نہیں ہیں بلکہ اسے خواب سے چونکا کر زندگی کی نئی راہ پر گامزن کر دیتی ہیں۔ کہانی سننے والا سوچتا ہوا چلتا رہتا ہے اور قدم کو تیز تیز یوں اٹھاتا ہے جیسے وہ واقعی کہانی کار کا ہم سفر بن گیا ہے۔

زاہدہ حنا کی کہانیاں پڑھ کر اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے مذہب، تاریخ، اساطیر اور ادب کا وسیع مطالعہ کیا ہے بلکہ ان سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور حسبِ ضرورت اسے اپنے فکر وفن کا حصہ بنایا ہے۔ اس وجہ سے ان کے افسانوں میں انسانی نفسیات اور مسائلِ حیات کے رموز ونکات تاک جھانک لگائے رہتے ہیں اور قاری کو اپنی گرفت میں بہرطور لیے رہتے ہیں۔ ان کے افسانے ''زیتون کی ایک شاخ''، ''رنگ تمام خوں شدہ''، اس کی بہترین مثالیں ہیں ان افسانوں کا انداز بیان اتنا دلنشین ہے کہ وہ بلاشبہ زاہدہ حنا کو اپنے عہد کی صفِ اول کی افسانہ نگار بنا دیتا ہے۔

زاہدہ حنا افسانہ لکھتے ہوئے اپنے عصر کو منہا نہیں کرتیں، ہمارے خیال میں یہ ایک سچے فنکار کی نشانی ہوتی ہے کہ وہ عصری آشوب کو اپنے وجود کا حصہ بنالے۔ لیکن کوئی کم ہمت فنکار اپنے اندر اتنی قوت نہیں رکھتا کہ وہ اس آشوب کا تخلیقی جوہر میں بدل جانے دے۔ لہٰذا وہ حال سے فرار حاصل کر کے ماضی کے دھندلکوں میں گم رہتا ہے۔ زاہدہ حنا کے نزدیک محض ماضی کو لکھ دینا ہی فکشن نہیں ہے وہ اسے رواں عصر کے ساتھ جوڑ دیتی ہیں اور حال کا حصہ

بنا کر مستقبل میں سوالات اور امکانات صورت میں پیش کر دیتی ہیں۔ اپنی جڑوں سے وابستگی اور اپنے عصر سے آگہی نے ان کی نثر کو خاص معنویت عطا کر دی ہے۔ ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ''قیدی سانس لیتا ہے'' ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا تھا جب کہ دوسرا مجموعہ ''راہ میں اجل ہے'' ۱۹۹۳ء میں آیا تو فکشن کے سنجیدہ قاری پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

زاہدہ حنا ایک نظریاتی افسانہ نگار ہیں۔ انھوں نے برصغیر کے سیاسی بحران کو تہذیبی زوال کے حوالے سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے ہاں وجودی احساسات بھی موجود ہیں لیکن انھوں نے وجودی فلسفے کو بے عملی کی سطح پر نہیں اپنایا۔ بلکہ ان کے کرداروں میں زندہ رہنے اور جدوجہد کرنے کا بے پناہ جذبہ موجود ہے۔ ان کے کردار بے بسی کے خلاف جہاد کرتے نظر آتے ہیں لیکن انھوں نے کردار کی نفسیاتی تصویر کشی کے لیے ان کے اندر دور تک اتر کر دیکھا ہے۔ مرزا حامد بیگ ان کے بارے میں کہتے ہیں:

> ''آج کی انٹلکچوئل عورت کے نزدیک وصال ایک شفاف ندی ہے جس کے اندر کوئی رمز نہیں اور اس کے مقابل فراق جان لیوا ہے لیکن اسرار سے پر سمندر کی مانند خوبصورت یوں زاہدہ حنا کا چناؤ فراق ہے۔ زاہدہ حنا کے افسانوں میں وجودیت کے فلسفے کے زیرِ اثر ہمارے عہد کی مضطرب انسانی جدوجہد کی خاص معنویت ہے اور وجودی سطح پر عورت اور مرد کا ازلی تنازع توجہ کا طالب (۴)۔''

زاہدہ حنا کا تخلیقی رویہ رومانیت سے جڑا ہوا ہے ان کے افسانوں میں ''زیتون کی شاخ''، ''صرصرِ بے اماں''، ''آنکھوں کے دیدبان''، ''یکے بود، یکے نبود''، میں اساطیری عناصر پائے جاتے ہیں۔

> ''میں عشتار رہتا ہوں، تم تموز ہو، تم پاتال میں قید ہو اور میں تمھیں لینے کے لیے آئی ہوں، ایک روشن ہاتھ اندھیرے میں تیرتا ہوا اس تک آیا، اور اس نے روشنی کو تھام لیا (۵)۔''
>
> ''شاہ پور کو بیٹا بنا کر میں اپنے سارے شوق پورے کر سکتا ہوں۔ تم یقین کرو وہ گندھی ہوئی مٹی پر جادو کر سکتا ہے (۶)۔''

زاہدہ حنا کے افسانوں کا بنیادی مزاج قوت، حسن اور صداقت ہے دنیا کی ہر بدصورتی کے خلاف ایک ردعمل، ایک چیلنج ہے۔ خواہ وہ بدصورتی سماجی سطح پر ہو، سیاسی یا معاشی نوعیت کی ہو یا کوئی اور۔ ان کے ہاں تاریخ اور اساطیر کا شوق، مطالعہ اور اس کا گہرا ادراک نظر آتا ہے۔ یہ شعور کہانی کو نہ صرف آگے بڑھاتا ہے بلکہ اس کی تعمیر میں جا بجا مضبوط ستون فراہم کرتا ہے۔ ان کے بیشتر افسانے تمثیلی اور علامتی فضا رکھنے کے باوجود کہانی پن کو اپنے اندر سموئے ہوئے ملتے ہیں۔ ان کا طرزِ احساس تاریخ اور ماضی کے شعور میں جڑیں رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ تصوف،

روحِ عصر کی تاب داری میں تحلیل ہو کر ایک نئی فضا کو قائم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ ان کی بعض کہانیاں متصوفانہ رنگ بھی رکھتی ہیں۔ زاہدہ حنا کا ادراک اور شعور ہمیں مختلف سمتوں میں سفر کرتا دکھائی دیتا ہے۔ ان کے لہجے میں توانائی اور تیقن ہے۔ وہ عصری تقاضوں کو کبھی ماضی کے حوالے سے اور کبھی اس کے مدمقابل رکھ کر پرکھتی نظر آتی ہیں۔ ان کی تحریر کا نمونہ دیکھیے:

''کتابیں، کتابچے، رپورٹیں میری نگاہوں میں تھے۔International Protection of Human Rights ایمنسٹی کی رپورٹ ان ٹارچر۔ اقوامِ متحدہ کا Universal Declaration of Human Rights جس پر میرے شوہر کے سابق و موجود حکمران کے دستخط تھے۔ جس کی پہلی شق یہ تھی کہ تمام انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور وہ یکساں حقوق اور مساوی رتبے کے حق دار ہیں جس کی نویں شق یہ تھی کہ... لیکن صرف پہلی اور نویں شق کا ہی ذکر کیوں؟ اس دستاویز کی تیس شقیں تھیں اور نہ جانے کتنی شقیں۔ تو کیا اس دستاویز پر دستخط کرنے والوں کے اندر کبھی کسی سوال نے سر نہیں اٹھایا تھا۔

ایسے سوال اور ان کے جواب ضمیر کی کھیتی میں اکھولے کی طرح پھوٹتے ہیں اور ضمیر کی کھیتی سفید محل میں رہنے والے ان دیوؤں کے ہاتھ گروہ رکھ دی گئی تھی جن کی آنکھیں نیلی تھیں اور جن کے بدن تانبے کے رنگ کے تھے۔

میرے چاروں طرف آوازیں تھیں، آگ تھی اور دھواں تھا، خون کی اور سڑتے ہوئے گوشت کی بساند تھی مجھے ابکائی آئی اور جو کچھ میرے اندر تھا، باہر آ گیا یہ سڑا ہوا رزق اس اذیت دہی کے عوض ملنے والے رویوں سے خریدا گیا تھا میں اس سڑے ہوئے رزق کے پاس بیٹھی رہی۔''

''میں جانے کتنی دیر تک بیٹھی رہی، پھر میں ہمت کر کے اٹھی (۷)۔''

برصغیر میں بڑے پیمانے پر ہجرت کے باعث سرحد پار چھوڑے ہوئے شہروں، گاؤں اور گھروں سے یوں تو ہر رشتہ ٹوٹ چکا تھا، مگر یادوں کا رشتہ دلوں میں موجود تھا جو بہر صورت قائم رہا اس رشتے کی زنجیروں کی کڑیوں میں اضافے کی ایک صورت خود بخود اس طرح پیدا ہو گئی کہ نئی نسل کو اس کے بزرگوں نے پریوں اور شہزادیوں کی کہانیاں سنانے کے بجائے ان شہروں اور گھروں کے قصے سنانے شروع کیے جہاں ان کے اجداد کی نشانیاں اب بھی موجود تھیں۔ اس طرح ان کے اندر بھی رفتہ رفتہ ایک ایسا شہر اور گھر آباد ہونے لگا جسے انھوں نے دیکھا تک نہیں تھا اور پھر

بزرگوں کا یہ Nostalgia منتقل ہو کر نئی نسل تک بھی پہنچ گیا۔ اس کیفیت کی تصویر کشی زاہدہ حنا نے اپنے افسانے میں بڑے موثر انداز میں کی ہے۔ مثال کے لیے ان کے ایک افسانے سے اقتباس پیش کرتے ہیں:

''گھر اینٹوں سے بنی ہوئی چار دیواری، چھت اور کمروں کا نام تو نہیں۔ گھر تو وہ جگہ ہے جو ہمارے اندر بسی ہوئی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ایسی جگہ میرا گھر ہو جہاں میں نے آنکھ نہ کھولی ہو، زندگی نہ گزاری ہو، جسے میں نے دیکھا تک نہ ہو۔ اس سے میرا روح کا رشتہ ہو، بالکل ایسے ہی جیسے بہت سے لوگوں کا روح کا رشتہ مقدس مقامات اور مزاروں سے استوار ہوتا ہے۔ ان میں سے بیشتر ایسے ہوتے ہیں جنھوں نے ان جگہوں کو کبھی دیکھا نہیں ہوتا (۸)۔''

شناخت کے گم ہو جانے کے المیے کو جدید افسانہ نگاروں نے بڑی شدت سے محسوس کیا ہے اور اپنے افسانوں کا موضوع بھی بنایا ہے۔ اس المیے کے نتیجے کے طور پر مشینی عہد کا انسان جس صورتِ حال سے دوچار ہوا ہے اس کا اظہار ہر ایک نے اپنے اپنے انداز میں بڑی کامیابی سے کیا ہے۔ آدمی کی یادداشت ہی اس کو اپنے تمام تر پس منظر کے ساتھ زندہ رکھتی ہے اور اس کے سہارے اس کا حاضر اس کے ماضی سے جڑا رہتا ہے بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے حاضر میں اس کا ماضی سانس لے رہا ہوتا ہے۔ وہ کل جو کچھ تھا پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہے یہ سب کچھ اس کی یادداشت کی گرفت میں ہو۔ تبھی آدمی کی پہچان گم ہونے سے محفوظ رہتی ہے لیکن ہوا یہ کہ بڑھتی ہوئی صنعتی ترقی نے جب وقت کے پہیوں کو مشینی تیز رفتاری عطا کر دی اور ساتھ ہی سماجی قوتوں کی ترقی میں بھی تیز رفتاری آئی تو خود اپنے پیچھے بھاگتے لوگوں کے قدموں نے اس قدر گرد اڑائی کہ آدمی کی یادداشت کی کتب میں لکھے حروف کی سیاہی کا رنگ پھیکا پڑنے لگا۔ جس نے رفتہ رفتہ اس کی پہچان کو دھندلا کر رکھ دیا۔ زاہدہ حنا کے افسانوں میں یہ پہلو بڑی خوبصورتی سے بیان ہوا ہے:

''اور تب یاد کی انگلیاں وقت کی بند مٹھیوں میں پھڑ پھڑاتے ہوئے لمحوں کے ان پرندوں کو محسوس کرنا چاہتی ہیں جو موجود کی شاخ سے اڑے اور ناموجود کی طرف پرواز کر گئے (۹)۔''

۱۹۶۰ء کے بعد اردو افسانے میں جو نیا افقی سفر شروع ہوا تھا وہ یقیناً اب عمودی رخ اختیار کرتا ہوا وہاں آ گیا ہے جہاں سے وہ عالمی معیار کی سطح کو چھوتا دکھائی دیتا ہے۔ اس ضمن میں درجنوں افسانہ نگاروں کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک زاہدہ حنا کا نام بھی ہے ان کا افسانہ ''تتلیاں ڈھونڈنے والی'' بہترین افسانوں میں شمار ہوتا ہے۔

ہمارے نئے افسانہ نگاروں نے علامت اور استعاروں کی ضرورت کو محسوس کیا اور علامتی افسانوں کی اردو میں مضبوط بنیاد رکھی۔ زاہدہ حنا بھی ان افسانہ نگاروں کی صف میں شامل ہیں۔ زاہدہ حنا نے اپنے مضمون میں علامتی افسانے کا جواز پیش کرتے ہوئے کہا کہ:

> ''آج سے چالیس سال پہلے کی سیدھی سادی کہانیوں کا طور اپنی استعمالی قدر کھو چکا ہے وہ طور ان پیچیدہ مسائل کے اظہار کا اہل نہیں ہے جن سے آج کا ذہن دوچار ہے یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے علامتی افسانے کی اہمیت ابھر کر سامنے آئی (۱۰)۔''

فوجی آمریت کے خلاف احتجاج کی جو صورتیں علامتی اور بعض صورتوں میں تجریدی انداز میں پیش کی گئی ہیں انھوں نے اردو میں مزاحمتی ادب کو ایک نیا زاویہ عطا کیا ہے۔ جدید اسلوب میں ترقی پسند سوچ کو پیش کرنے کی یہ صورت زاہدہ حنا کے یہاں بڑی واضح نظر آتی ہے اس ضمن میں ان کے افسانے جیسے ''رنگ تمام خوں شدہ''، ''تتلیاں ڈھونڈنے والی''، ''جسم و زباں کی موت سے پہلے''، ''آخری بوند کی خوشبو'' اور ''بود و نبود کا آشوب'' پیش کیے جا سکتے ہیں۔ ''بود و نبود کا آشوب'' کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اسے فیض صاحب نے Lotus کے لیے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ یہ ان کے قلم سے نکلنے والی آخری تحریر تھی۔

جدید افسانے کو جن خواتین افسانہ نگاروں نے جلا اور تقویت بخشی ان میں خالدہ حسین، فردوس حیدر، زاہدہ حنا، شکیلہ رفیق وغیرہ اہم ہیں مگر جو نام ایک الگ اور منفرد پہچان کے ساتھ سامنے آیا وہ زاہدہ حنا کا ہے فن اور جدید اسلوب کے اعتبار سے زاہدہ حنا اپنی ہم عصر لکھنے والیوں میں سب سے منفرد ہیں۔

ایک اہم تاریخی المیہ جو ۱۹۷۱ء کے آغاز میں ادب کی دیگر اصناف کے علاوہ جدید افسانے کا بھی موضوع بنا وہ سقوط ڈھاکا کا واقعہ اور اس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان کے مختلف شہروں سے غیر بنگالیوں کی مغربی پاکستان کی جانب ہجرت تھی۔ اس سانحے کا گہرا اثر جدید اردو افسانے نے قبول کیا اور درجنوں زندہ رہنے والی افسانوی تخلیقات سامنے آئیں۔ زاہدہ حنا نے بھی اس موضوع پر کئی پُر اثر افسانے تحریر کیے۔ اس کے علاوہ پچھلے چند برسوں میں کراچی کی بدامنی اور خرابی کو بھی انھوں نے اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔ ''کراہ چی''، ''بہ ہر سور قص بسم بود''، ''معدوم ابن معدوم'' اور دیگر افسانے اس سلسلے میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔

پاکستان میں ۲۸ مئی ۱۹۹۸ء کو چاغی کے مقام پر جوہری دھماکے کیے تو ہیروشیما اور ناگاساکی کے المیے کا زخم دلوں میں پھر سے تازہ ہو گیا۔ اس کے خلاف کچھ انسان دوست اور حساس لکھنے والوں نے صدائے احتجاج بلند کیا جن میں زاہدہ حنا کا نام سرِ فہرست تھا۔ زاہدہ حنا نے اس دھماکے سے بہت پہلے جوہری اسلحے کے خلاف ۸۸ء سے ۹۸ء

کے درمیان دو درجن سے زائد کالم تحریر کیے۔ ۱۹۹۱ء میں اس حوالے سے ان کا افسانہ ''تنہائی کے مکان میں'' سہ ماہی ''اقدار'' میں شائع ہو چکا تھا۔ پھر ۲۰۰۰ء میں ''ضمیر کا نوحہ'' کے عنوان سے سامنے آیا۔ اس مختصر سے تجزیے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ زاہدہ حنا نہ صرف ہمارے عہد کی ایک صاحبِ طرز اور منفرد افسانہ نگار ہیں بلکہ ایک سچی اور عہد ساز افسانہ نگار بھی ہیں۔

حواشی:

(۱) دردانہ جاوید، پاکستان کی منتخب افسانہ نگار خواتین حیدرآباد: قصہ الادب، ۲۰۰۲ء۔
(۲) زاہدہ حنا، قیدی سانس لیتا ہے، کراچی: مکتبہ دانیال، ۱۹۸۳ء۔
(۳) ـــــــ، راہ میں اجل ہے، کراچی: دانیال پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء۔
(۴) ـــــــ، عورت، زندگی کا زنداں، (مضامین کا مجموعہ)، کراچی: شہزاد پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء۔
(۵) ـــــــ، جدید اردو افسانہ، مشمولہ: اردو افسانہ روایت اور مسائل، کراچی:، ۱۹۸۴ء۔
(۶) مرزا حامد بیگ، نسوانی آوازیں،، لاہور: سارنگ پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء۔
(۷) ـــــــ، اُردو افسانے کی روایت، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۹۱ء۔
(۸) رسالہ طلوعِ افکار، کراچی: جنوری ۱۹۹۵ء۔

مآخذ:

۱۔ دردانہ جاوید، پاکستان کی منتخب افسانہ نگار خواتین حیدرآباد: قصہ الادب، ۲۰۰۲ء۔
۲۔ حنا، زاہدہ، قیدی سانس لیتا ہے، کراچی: مکتبہ دانیال، ۱۹۸۳ء۔
۳۔ ـــــــ، راہ میں اجل ہے، کراچی: دانیال پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء۔
۴۔ ـــــــ، عورت، زندگی کا زنداں، (مضامین کا مجموعہ)، کراچی: شہزاد پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء۔
۵۔ ـــــــ، جدید اردو افسانہ، مشمولہ: اردو افسانہ روایت اور مسائل، کراچی:، ۱۹۸۴ء۔
۶۔ بیگ، مرزا حامد، نسوانی آوازیں،، لاہور: سارنگ پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء۔
۷۔ ـــــــ، اُردو افسانے کی روایت، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۹۱ء۔
۸۔ رسالہ طلوعِ افکار، کراچی: جنوری ۱۹۹۵ء۔
۹۔ سیمینار جدید اُردو افسانہ، کراچی ہوٹل جبیس، ۱۹۸۴ء